سلسلہ مطبوعات ۳۰

ولی اللّٰہی نظامِ فکر

(پس منظر اور اجمالی تعارف)

www.rahimia.org

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

حرف اول

دنیائے انسانیت میں کئی مفکرین آئے اور انھوں نے اپنے اپنے انداز میں حالات کو دیکھا اور پرکھا، پھر اپنے افکار کا تانا بانا بُنا اور اکثر کی کاوشیں کاغذات کی زینت بن کر رہ گئیں، کچھ ایسے بھی ہوئے جو دنیا کے دھارے کی تبدیلی کا محرک بنے، لیکن کچھ عرصہ بعد ان کی فکر بھی زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکی۔

آج دنیا پر امریکا و یورپ کی مادی ترقیات کا ہی غلبہ نہیں بلکہ فکر و فلسفہ کے میدان میں بھی دنیا ان کی خوشہ چینی کرتی نظر آتی ہے، بہ ظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ فکر و عمل کے چشمے صرف یورپ و امریکا میں ہی پھوٹتے ہیں لیکن یہ احساس ذہنی مرعوبیت اور پروپیگنڈے کے بل بوتے پر قائم ہے، حقائق کی دنیا اس سے مختلف ہے، پس اسے دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی دنیا کی ایک خوشگوار حقیقت ولی اللّٰہی نظام فکر کا وہ ٹھوس وجود ہے، جو اس امر کی علامت ہے کہ براعظم ایشیا اور بالخصوص برعظیم پاک و ہند و بنگلا دیش کا ایک مفکر انسانی فطرت کا ایسا کامیاب نبض شناس ہے کہ اسے دنیا سے گئے ہوئے تو دو صدیوں سے زائد کا عرصہ بیت گیا، لیکن اس کے افکار کی روشنی نہ صرف ماند نہیں پڑی بلکہ ہر آنے والا لمحہ اس کے تجزیہ و تجویز کی صداقت پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ امام شاہ ولی اللہ کے افکار سے نہ صرف آگاہی حاصل کی جائے بلکہ ان کی روشنی میں سماجی نظام کی تشکیل نو کی روشن راہ بھی اپنائی جائے۔

زیر نظر مقالہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری صاحب نے امام شاہ ولی اللہؒ کے افکار کے پس منظر کو پیش کر کے اس حقیقت کو آشکارا کیا ہے کہ شاہ صاحب محض مذہبی مصلح ہی نہیں بلکہ ایک سماجی مفکر بھی تھے، بعد ازیں انھوں نے ولی اللّٰہی نظام فکر کے بنیادی خدوخال کی جانب متوجہ کر کے قارئین کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ شاہ صاحب کی اس فکری جامعیت کے حوالہ سے دیگر عصری مذہبی تحریکات کا جائزہ لیں۔ تا کہ خیالات کی دنیا اور حقائق کے ماحول کے امتیازات سے واقف ہو سکیں، اور معروضی انداز فکر اپنا کر دنیائے عمل میں انقلاب کے چراغ جلائیں (چیئرمین)

www.rahimia.org

فہرست مضامین

ابتدائیہ	۶
ولی اللہی نظام فکر کا پس منظر	۹
ہندوستانی سماج کے متعلق امام دہلوی کا تجزیہ	۱۰
(۱) اجتماعی اور قومی سوچ کی بجائے ذاتی مفاد پرستی کا غلبہ	۱۰
(۲) ذاتی مفاد پرستی کے نتیجہ میں طبقاتی تقسیم	۱۱
(۳) طبقاتی تقسیم کے نتیجہ میں دنیاوی اور اخروی سعادت سے محرومی	۱۳
(۴) انسانیت کے طبعی تقاضوں سے انحراف کا فتنہ	۱۴
(۵) پورے سماجی نظام کی فرسودگی	۱۵
(۶) انگریزوں کی چیرہ دستیاں	۱۷
خلاصہ بحث	۱۸
شاہ ولی اللہ کے فکر کا تعارفی جائزہ	۲۰
(الف) ولی اللہی فکر کا اساسی فلسفہ	۲۱
شاہ صاحب کا فلسفہ اجتماعیت	۲۱
سماجی وحدت کی اہمیت	۲۳
(ب) ولی اللہی نظام فکر کے بنیادی نکات	۲۳
(۱) حیات اجتماعی کی اہمیت	۲۴
(۲) حیات اجتماعی کے چار مراحل اور ان کی اہمیت	۲۵
(۳) معاشی عدم توازن کے خاتمے کے لیے ''تعاون باہمی'' کا اصول	۲۶

www.rahimia.org

(۴) اقترابات کی ضرورت	۲۶
(۵) دینی اخلاقیات اور معاشی اخلاقیات کا باہمی تعلق	۲۷
(۶) انسانیت کی طبعی تقاضوں کی اصلاح کے چار طریقے	۲۹
(۷) دین میں اجتماعی سیاست کی اہمیت	۳۰
(۸) تبدیلی نظام کا انقلابی تصور	۳۱
(۹) جہاد کی اہمیت	۳۲
خلاصہ بحث	۳۲
آخری گزارش	۳۴
حوالہ جات	۳۵

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

www.rahimia.org

نام ولی اللّٰہی نظامِ فکر پس منظر اور اجمالی تعارف
تحریر حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
طبع اول: ۱۹۹۵۔ طبع ثانی: دسمبر ۲۰۰۵، طبع ثالث: ۲۰۱۸۔
ناشر شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

ہر ایک سماج میں رائج نظام، کسی نہ کسی نظریہ اور فکر پر مبنی ہوتا ہے، فکری بنیادوں کے بغیر، کوئی نظام بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہا کرتا، گویا انسانی سماج کے لیے نظریہ اور فکر کی ناگزیریت ایک اٹل حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کائنات رنگ و بو کی خالق ذات نے، انسانیت کے فطری ارتقا کے لیے ایک ایسا دین متین عنایت فرمایا، جو سماجی زندگی کو صحیح فکری اساس اور بنیاد فراہم کرتا ہے، اور پھر اسی فکر اور نظریہ کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے انسانی زندگی کی ہمہ جہتی تعمیر کچھ اس طرح سے کی کہ جس سے پوری انسانیت نے اپنے فطری اور سماجی ارتقا میں بھرپور فائدہ اٹھایا۔

زمانے کا تغیر ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ جس کا انکار ممکن نہیں۔ لحظہ لحظہ بدلتے زمانے کا تقاضا ہوتا ہے کہ سماجی زندگی کے دائرہ میں جو جدید مسائل پیدا ہو چکے ہیں ان کا حل تلاش کیا جائے، چناں چہ دینی فکر بھی دور کے اس تقاضے سے باہر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہر دور کے بدلتے تقاضوں کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ارشاد فرمایا! ''اللہ تعالی اس امت کے لیے ہر سو سال کے شروع میں ایسے لوگ بھیجے گا 'مَنْ یُجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا' جو اس (امت) کے لیے دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے'' (۱)

اس ارشاد نبوی سے واضح ہوا کہ ہر دور کے لیے مجدد کا ہونا ضروری ہے، تا کہ مرور زمانہ سے دین کے عملی نفاذ کی راہ میں جو رکاوٹیں پیدا ہو چکی ہیں انھیں دور کیا جائے اور دینی فکر اپنی تمام تر تازگیوں اور لطافتوں کے ساتھ نکھر کر سامنے آجائے، اور یوں اس کی سحر انگیز نکہتوں سے پوری انسانیت معطر ہو جائے اور اس کے فطری ارتقا کا سفر جاری رہے۔ اس حوالے سے اگر امام شاہ ولی اللہ (م ۱۷۶۲ء) کے عظیم کام کو دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ وہ نہ صرف ایک دور کے مجدد ہیں بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے پیش آمدہ حالات میں انہوں نے ایسی ٹھوس اور مضبوط فکری بنیادیں فراہم کی ہیں کہ ان کی روشنی میں الجھے ہوئے جدید مسائل کو بحسن وخوبی

www.rahimia.org

حل کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ شاہ صاحب کو اپنی فکر کی مسلمہ اہمیت اور اپنی حیثیت کا بہ خوبی احساس تھا، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی اس حیثیت کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا ہے!

"وَلَمَّا تَمَّتْ دَوْرَةَ الْحِكْمَةَ، اَلْبَسَنِیَ اللّٰهُ سُبْحَانَه خِلْعَةَ الْمُجَدِّدِيَّةَ"

جب حکمت کا مرتبہ میرے لیے مکمل ہوگیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مجھے مجددیت کی خلعت (انعام) سے نوازا (۲)

بلاشبہ شاہ صاحب کے مجددانہ فکری اور عملی کام نے برعظیم پاک وہندو بنگلا دیش میں بسنے والے انسانوں کی فکری، سیاسی اور معاشی زندگی پر بڑے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں، یہاں کے لوگوں پر ان کا بہت بڑا احسان ہے، جس کا انکار ممکن نہیں، آج ہماری زندگی میں دین متین جس شکل میں محفوظ ہے، وہ دراصل ولی اللہی جماعت کے مجددانہ کام کی بدولت ہی ہے۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ برعظیم (پاک وہندو بنگلا دیش) اور اس کے اطراف واکناف میں جتنے لوگ بھی صحیح دینی مزاج رکھنے والے ہیں ان کے علم وفکر کا سلسلۂ سند شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہی جاملتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ برعظیم کی سیاسی، سماجی، مذہبی اور فکری زندگی پر شاہ ولی اللہ کے جاندار فکر اور کردار کی پرچھائیاں اتنی گہری اور دوررس ہیں کہ کوئی متعصب آدمی بھی اس کی واقعیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ یہاں کے ہمہ جہتی حالات کا انسانیت کے حوالہ سے بغور جائزہ لینا، مذہبی، سیاسی، سماجی اور معاشی نظام میں پیدا ہونے والی خرابیوں کا صحیح ادراک کرنا، اور پھر ان کے انسداد کے لیے مکمل نظام فکر تجویز کرنا، اور اس فکر پر ایک بھرپور عملی تحریک وجدوجہد کی بنیاد رکھنا، یہ سب ایسے اہم امور ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

خود شاہ صاحب کو "علی منہاج النبوۃ" (نبوت کے طریقہ پر) ترتیب دی ہوئی اپنی فکر کی قدر و قیمت اور اس کی بھرپور صداقت کا اتنا یقین تھا کہ ان کے خیال میں جس نے بھی ان کے فکری و عملی کام سے دشمنی رکھی وہ واضح طور پر خسارے اور نقصان میں رہے گا، چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں!

"شاید تم مجھے نہیں جانتے، میرے سر پر تاج ہے اور ہاتھ میں تلوار ہے (بیدی السیف) میرا دل انتہائی بردبار اور زبان انتہائی شیریں ہے اے لوگو! خدا کی طرف رجوع کرو "اصلحوا ذات بینکم، لاتباغضوا ولاتدابروا" آپس میں امن وصلح

www.rahimia.org

سے رہو ایک کے خلاف بغض وعداوت نہ رکھو اور نہ ہی ایک دوسرے کی جڑیں کاٹو، فان من عادانی فقد خسر خسر انا مبینا ''یادرکھو! جس نے میرے (نظریات کے) ساتھ دشمنی رکھی یقیناً وہ خسارے اور نقصان میں رہے گا'' (۳)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے بحیثیت مجموعی شاہ صاحب کے فکر کی اہمیت کا صحیح ادراک نہیں کیا، اور آج ہم دنیا کے باطل نظاموں کے سامنے نہایت ذلت کے ساتھ سربسجود ہیں۔ ہمارا قومی اور اجتماعی وجود فنا کے گھاٹ اتر چکا ہے۔ ہر فرد اپنی جگہ مسائل کا شکار ہے۔ ذلت وافلاس کو اس نے اپنا مقدر بنالیا ہے۔ سماج سے متعلق الجھے ہوئے سلگتے ہوئے مسائل ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ اگر ہم شاہ صاحب کے پورے فکر پر اجتماعی حیثیت میں بھرپور طریقے سے عمل کرتے، یقیناً ہماری کامیابی کی جہتیں دوسری ہوتیں، اور مجموعی طور پر ہم کسی بھی قوم سے کسی طرح پیچھے نہ ہوتے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سیاسی، سماجی اور معاشی حوالہ سے شاہ ولی اللہ کے افکار اتنے بلند پایہ اور اعلیٰ معیار کے ہیں کہ آج بھی دنیا ان کی تابناکی اور اہمیت کو بجا طور پر محسوس کر رہی ہے، یہی وَجہ ہے کہ آج مادی نظام ہائے حیات جو غیر مذہبی بنیادوں پر قائم ہیں، کا مقابلہ صحیح معنی میں اگر کوئی فکر ونظریہ کر سکتا ہے تو وہ شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی جماعت کا دینی فکر ہے۔ اس فکر میں جدید دور کے حوالہ سے ایسی بنیادی راہنمائی مل جاتی ہے جس پر چل کر اپنی سماجی زندگی میں ہمہ جہتی تبدیلی پیدا کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

ان حالات میں دین متین کی روشنی میں تیار شدہ ولی اللّٰہی نظام فکر کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ آج کے باشعور نوجوان بلکہ تمام سمجھدار انسانوں کو، دوسرے باطل افکار ونظریات سے ہٹ کر اپنی سوچوں کا محور ومرکز اسی فکر کو بنانا چاہیے۔

ولی اللہ نظام فکر کی اہمیت مسلم ہو جانے کے بعد آیئے! دیکھتے ہیں (۱) یہ فکر کس پس منظر میں وجود پذیر ہوئی؟ وہ کیا حالات تھے جو اس کے وجود کا باعث بنے تھے؟ (۲) یہ بھی معلوم کریں کہ اس فکر کے بنیادی خدوخال اور بنیادی نقاط کیا ہیں کہ جن پر اس نظام فکر کی پوری عمارت تشکیل دی گئی ہے؟ تاکہ ہم پوری بصیرت کے اور شعور کے ساتھ اس فکر کی گہرائیوں کو سمجھ سکیں اور اپنی عملی زندگی میں اس سے بھرپور راہنمائی حاصل کر سکیں (مؤلف)

www.rahimia.org

ولی اللٰہی نظام فکر کا پس منظر

ہر ایک فکری نظام کا ایک خاص پس منظر ہوتا ہے، کچھ معروضی حقائق ہوتے ہیں، کچھ سماجی ضروریات اور تقاضے ہوتے ہیں، جو مفکر کے فکر کی ترتیب کا باعث بنتے ہیں۔ ولی اللٰہی نظام فکر کو سمجھنے اور اس کے تاریخی تسلسل کی اہمیت معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے پس منظر میں جھانک کر دیکھا جائے کہ وہ کیا حالات و تقاضے تھے کہ جن سے متاثر ہو کر امام شاہ ولی اللہؒ نے امت میں سماجی انقلاب کے لیے اس فکری نظام کو مرتب فرمایا؟ اس سے جہاں یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ ہمیں اس دور کے معروضی حقائق کی روشنی میں شاہ صاحب کی فکری کاوشوں کو سمجھنے میں مدد ملے گی، وہاں یہ فائدہ بھی کسی طرح بھی کم نہیں کہ اگر ہمارے سماجی اور اجتماعی حالات اسی ڈگر پر چل رہے ہیں یعنی جو خرابیاں ہمیشہ سے سماجوں کی اجتماعی ساخت کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہیں، اگر وہی گھن آج ہماری سماجی جڑوں کو لگ گیا ہے تو ان حالات میں شاہ صاحب کا فکری نظام ہمارے لیے کس حد تک سودمند ہو سکتا ہے۔ یقیناً اگر مرض وہی ہے تو نسخہ کیمیا لامحالہ پورا پورا فٹ آئے گا اور جب شعوری طور پر ہمیں اس فکری نظام کی اہمیت معلوم ہوگی، تو سماجی زندگی کو اس کی روشنی میں استوار کرنے کی فکر دوچند ہو جائے گی۔

شاہ صاحب نے جب شعور کی آنکھ کھولی، اور اس دور کے حالات پر نظر ڈالی تو انہیں پتہ چلا کہ تقریباً سات سو سالہ نظام سلطنت، جس نے ہندوستانی سماج کو بڑی حسن و خوبی سے منظّم کر کے مضبوط بنیادوں پر استوار کیا تھا اور اورنگ زیب عالم گیر جیسے مدبر اور منتظم بادشاہ کی وفات کے بعد انتشار کا شکار ہے۔ سماج کے کل پرزے اپنے اپنے مقامات سے ہٹ رہے ہیں، سماج کی وہ کمزوریاں جو عرصہ دراز سے معمولی حالت میں چلی آ رہی تھیں، اور جو مضبوط اعصاب و فکر والے بادشاہ اور اس کی جماعت کے حسن فکر و انتظام کی وجہ سے دبی دبی سی تھیں، اب اپنا اثر دکھا رہی تھیں، اس طرح سماج کھوکھلا ہو کر تباہی کے کنارے پر پہنچا ہوا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی چیز ہے جو گھن کی طرح اسے چاٹ رہی ہے، کوئی مرض ہے جس نے اسے بے چین کیا ہوا ہے، کوئی خرابی ہے جس کی وجہ سے پورا معاشرہ تلپٹ ہو چکا ہے۔

www.rahimia.org

ہندوستانی سماج کے متعلق امام دہلوی کا تجزیہ:

شاہ صاحب چوں کہ اس دور کے حکیم اور مجدد تھے، لٰہذا ان خرابیوں پر سکوت اختیار کر کے گوشہ نشین نہیں ہو سکتے تھے، جیسا کہ آج کل بعض مذہبی گروہوں نے زندگی کے سماجی تقاضوں سے صرف نظر کر کے اور معاشرتی اور معاشی خرابیوں کو نظر انداز کر کے محض چند مخصوص عبادات کو پھیلانے کا بیڑا اٹھالیا ہے، بلکہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے انبیائے کرام کے حقیقی وارث کی حیثیت سے انسانیت کے اجتماعی درد و کرب کو بجا طور پر محسوس کیا اور سماج کی ان کمزوریوں اور خرابیوں کا پتہ چلانے کے لیے انتہائی دلسوزی سے جدوجہد کی اور گہرائی میں جا کر پوری ذمہ داری کے ساتھ علمی (SCIENTIFIC) بنیادوں پر تجزیہ فرمایا اس کے چیدہ چیدہ نکات حسب ذیل ہیں۔

1۔ اجتماعی اور قومی سوچ کی بجائے ذاتی و گروہی مفاد پرستی کا غلبہ:

شاہ صاحب نے سماجی خرابیوں کا جائزہ لیا تو انھیں محسوس ہوا کہ کسی سماج کی اساس و بنیاد جس نقطے پر قائم ہوتی ہے، یعنی قومی اور اجتماعی تقاضوں کو ملحوظ رکھنا، وہی ڈھے جا رہی ہے، قوم کے افراد اجتماعی اور قومی تقاضوں سے روگردانی کے جذبات پروان چڑھ رہے ہیں اور ذاتی و گروہی مفاد پرستی کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے، خاص طور پر قومی خزانے کے حوالے سے صورتِ حال انتہائی دگرگوں ہے۔ ہر فرد کسی نہ کسی طرح ''ذاتی مال'' بنانے کے چکر میں ہے، جس سے سماج کے بنیادی ڈھانچے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے چناں چہ اس تشویش ناک صورتِ حال کی عکاسی ان الفاظ میں کرتے ہیں!

''اس زمانہ میں ملکوں کی خرابی کے دیگر اسباب کے علاوہ ایک بڑا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے قومی خزانے کو مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعہ لوٹنا شروع کر دیا ہے اور اس لوٹ کھسوٹ کو ہی اپنی کمائی کا دھندہ بنالیا ہے کچھ لوگ ہیں جو غازی اور مجاہدین بن کر اسے لوٹ رہے ہیں اور بعض اپنے آپ کو علما کی حیثیت سے قومی خزانے کا مستحق سمجھتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو حکمران طبقات سے بخشش اور انعام و اکرام کے نام سے لوٹ رہے ہیں، جیسے نام نہاد صوفی، شاعر اور ادیب لوگ ہیں اور باقی لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے قومی خزانے کو حاصل کرنے کے لیے سرگرداں ہیں۔'' ویکون العمدۃ عندھم ھوالتکسب دون القیام

بالمصلحۃ‘‘

ان کے خیال میں سب سے اچھی بات یہ ہے کہ انھوں نے اسی کام کو اپنی کمائی کا پیشہ بنایا ہوا ہے قطع نظر اس کے کہ قومی اور اجتماعی مصلحتیں پوری ہوتی ہیں یا نہیں؟‘‘ فیدخل قوم علی قوم فینغضون علیھم ’’(ذاتی ہوس پرستی کا عالم یہ ہو گیا ہے کہ) ایک گروہ دوسرے گروہ پر حملہ آور ہوتا ہے اور اسے تنگ کرتا ہے‘‘ (۴)

شاہ صاحب کے اس تجزیہ سے یہ معلوم ہوا کہ اس دور میں سماج کا ہر فرد اجتماعیت کو چھوڑ کر انفرادی مفادات کے پیچھے لگ گیا تھا، گویا انفرادی مفاد پرستی اس سماج کا سب سے بڑا روگ تھا ہر فرد اس مرض میں مبتلا تھا، کوئی طبقہ اور گروہ اس جان لیوا بیماری سے بچا ہوا نہیں تھا، اور علماء، درویش اور زاہدوں کا گروہ جن کا مقصد سماج کی فکری اور اخلاقی روشوں کو سدھارنا ہوتا ہے تا کہ سماجی اور اجتماعی ذوق ہر فرد میں پیدا ہو وہ بھی اس رو میں بہہ کر ذاتی اغراض کے بندے بن چکے تھے۔ اور انھوں نے اس لوٹ کھسوٹ میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا، اور کیوں نہ ہوں؟ جب امرا اور بادشاہ انفرادی مفاد پرستی میں پڑ کر عیاش بن جائیں تو پھر ہر طبقہ اس قسم کی عیاشی میں پڑ جاتا ہے اس لیے یہ مقولہ بالکل صحیح ہے کہ ’’الناس علی دین ملوکھم ‘‘عوام اپنے حکمرانوں کے طرز زندگی پر ہوتے ہیں جس طرح کا انفرادی ہوس پرستی کا ماحول حکمران پیدا کریں گے ویسے ہی اثرات مرتب ہوں گے۔

2۔ ذاتی مفاد پرستی کے نتیجہ میں طبقاتی تقسیم:

دوسرا نکتہ جس کی طرف شاہ صاحب نے توجہ دلائی وہ یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی نظام ایک عرصہ تک خوشحال اور امن وسکون کے ساتھ اجتماعی زندگی کی شاہراہ پر گامزن رہتا ہے تو معاشرے کے مقتدر طبقات اپنے اختیارات واعزازات کا ناجائز استعمال کرتے ہیں اور انفرادی مفادات پر مبنی رجحانات کو ابھارتے ہیں، اور نہیں عملی طور پر تقویت پہنچاتے ہیں جس کے نتیجے میں سماج کی اکثریت کے حقوق پر زد پڑتی ہے اور یوں ان کے حقوق سلب ہونے لگتے ہیں۔ اس طرح انفرادی مفاد پرستی کا رجحان رکھنے والے مقتدر طبقات اپنی من مانیاں کر کے معاشرے کو اپنے ظلم واستحصال کا شکار بنا لیتے ہیں اور اکثریتی طبقہ معاشی اعتبار سے نڈھال

www.rahimia.org

ہو جاتا ہے خصوصاً وہ لوگ جو اپنی محنت ومشقت کے ذریعے پورے معاشرے اور سماج کے لیے معاشی پیداوار کا سبب بنتے ہیں، تباہ وبرباد ہو جاتے ہیں اور مقتدر طبقات اپنے ذاتی فوائد حاصل کرنے کے لیے ان محنت کشوں پر طرح طرح کے ٹیکس اور تاوان لگاتے ہیں جس سے ان کی رہی سہی کسر بھی پوری ہو جاتی ہے چناں چہ شاہ صاحب کے الفاظ میں اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

''عصر حاضر کے ملوک وسلاطین اور والیان ریاست کی عیاشوں کو دیکھ کر تم ان (قیصرو کسریٰ) کی عیاشیوں اور زندگی کی لذات میں حد سے بڑھنے کا اندازہ لگا سکتے ہو۔عیش پرستی کا یہ طریقہ ان کے رگ وپے میں سرایت کر چکا تھا، رعیت کے ہر طبقہ میں اپنی حیثیت کے موافق عیاشی کا مرض پھیل گیا تھا اور اس نے وبائے عام کی صورت اختیار کر لی۔اس عیاشی کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے، اس لیے کہ عیاشانہ زندگی بسر کرنے کے لیے جس ساز وسامان کی ضرورت تھی، اس کا حصول بہت سی دولت خرچ کیے بغیر ناممکن تھا، اس لیے ان ملوک وسلاطین نے محنت کش طبقات یعنی کسانوں اور تاجروں پر بھاری ٹیکس لگا دیے، اگر وہ دینے سے انکار کرتے تو ان کو مارا پیٹا جاتا اور سخت عذاب دیا جا، اس طرح ان کے سامنے دوسرا راستہ یہی رہ گیا کہ وہ سلاطین اور سرمایہ داروں کی اطاعت سے منہ نہ موڑیں، چوپایوں اور گدھوں کی سی ذلیل زندگی بسر کریں، جن سے ان کی مرضی کے بغیر ہل چلانے اور کنویں پانی نکالنے کا کام لیا جاتا ہے اور جن کی تھوڑی بہت پرورش یا غور و پرداخت (دیکھ بھال) صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ مالکوں کی اپنی اغراض ان کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔بہرحال نچلے طبقے کے لوگ اپنے حکمرانوں اور آقاؤں کی خدمت میں اس قدر مشغول ہوتے تھے کہ ان کو اخروی سعادت کی طرف متوجہ ہونے کی لمحہ بھر فرصت نہیں ملتی تھی'' (۵)

شاہ صاحب کی اس مندرجہ بالا عبارت کے علاوہ اور دوسرے تاریخی شواہد اور دلائل سے یہ بات اَب پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس زمانہ میں ہندوستانی سماج پر اجتماعیت کی بجائے انفرادی ہوس کے بادل منڈلا رہے تھے اور اجتماعی مفادات کو انفرادی خواہشوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا جا رہا تھا، اور ظاہر ہے کہ جب کسی جگہ ذاتی مفادات پورے کرنے کی کھلی چھٹی مل جائے

تو پھر ''جس کی لاٹھی، اس کی بھینس'' والا قانون نافذ ہوجاتا ہے، جس کے پاس دولت کی طاقت ہو، وہی بڑا بن بیٹھتا ہے اور جو بے چارہ کسی طرح بھی کمزور رہ جائے وہ پس کر رہ جاتا ہے، اور ظلم کا شکار ہوجاتا ہے، الغرض معاشرہ دو مختلف طبقات میں بٹ چکا تھا، ایک وہی مفاد پرست اور مقتدر ٹولہ، جو ناجائز طریقہ پر کمزوروں اور غریبوں کا استحصال کر کے اپنی عیاشی کے لیے زمین ہموار کرتا تھا، اور دوسرا مظلوم طبقہ جو ملک کی اکثریتی طاقت ہونے کے باوجود ظلم واستحصال کا شکار تھا، جو بیلوں اور گدھوں کی طرح دن رات کام میں جتا ہوا تھا۔

3۔ طبقاتی تقسیم کے نتیجے میں دنیاوی اور اخروی سعادت سے محرومی:

تیسرا نکتہ جس کی طرف شاہ صاحب نے توجہ دلائی وہ یہ کہ جب کسی معاشرہ میں طبقاتی تقسیم قائم ہوجاتی ہے، یعنی ایک طبقہ امیر سے امیر تر، دوسرا غریب سے غریب تر، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ بحیثیت مجموعی آخرت کی فکر سے غافل ہوکر دین کا انکار کردیتا ہے۔ غریب طبقہ تو اس لیے آخرت کی فکر سے غافل ہوتا ہے کہ ظالمانہ نظام کے ناجائز مطالبات اور سرمایہ داروں کے ظلم کی وجہ سے ہر وقت محنت ومشقت میں مصروف رہتا ہے، ظالم سماج اس کو اتنی فرصت نہیں دیتا کہ وہ اتنا وقت نکال سکے کہ جس میں وہ اپنے اللہ کو یاد کرلے اور آخرت کی فکر پیدا کرلے، چناں چہ شاہ صاحب کی یہ عبارت، اس حقیقت کو بڑے واشگاف الفاظ میں واضح کرتی ہے فرماتے ہیں!

''پس اگر مظلوم لوگ (ظالمانہ ٹیکس ادا کرنے سے) انکار کریں تو انہیں مارا جائے اور سزائیں دی جائیں اور اگر وہ اطاعت کریں تو انہیں گدھے اور بیل کی طرح بنالیا جائے جو آبپاشی کرنے، ہل جوتنے اور اناج کی کٹائی کے لیے کام میں لائے جاتے ہیں، اور ان کی تھوڑی بہت دیکھ بھال صرف اس وجہ سے کی جاتی ہے تاکہ (زندہ رہ کر) ان کی حاجات پوری کرتے رہیں، پھر ان کو محنت اور مشقت سے ایک گھڑی بھی آرام کا موقع نہیں دیا جاتا یہاں تک کہ یہ لوگ سعادت اخرویہ کی طرف بالکل توجہ نہیں دے پاتے اور نہ ہی یہ اس قابل رہتے ہیں۔

(حتی صاروا لا یرفعون رئوسھم الی السعادۃ الاخرویۃ اصلاً، ولا یستطیعون ذلک)''(۶)

دوسری طرف عیاش طبقہ، اپنی عیاشی اور دنیاوی زندگی کے انہماک میں آخرت کو بھول جاتا ہے اور تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور دین کا انکار کر دیتا ہے۔ چناں چہ شاہ صاحب فرماتے ہیں ''خاضوا فی لذة الدنیا ونسوا الدار الآخرة ،واستحوذ علیھم الشیطان تعمقوا فی مرافق المعیشة وتباھوابھا۔ وہ (مقتدر طبقات وسرمایہ دار) دنیا کی لذتوں میں ڈوب گئے، اور آخرت کو بھول گئے، شیطان نے ان پر تسلط جمالیا، یہ لوگ اپنی معاشی زندگی کی عیاشیوں میں غرق ہو گئے اور اس پر فخر کرنے لگے'' (۷)

طبقاتی تقسیم کے اس ظالمانہ کردار کی وجہ سے معاشرہ کا ہر فرد دین سے دور ہو جاتا ہے اور یوں پورا معاشرہ دین سے بیزاری کی لعنت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ شاہ صاحب کے الفاظ میں! ''وربما کان اقلیم واسع لیس فیھم احدیھمہ دینہ'' یعنی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک بڑے ملک میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں ہوتا کہ جو اپنے دین کی فکر کرے'' (۸)

4۔ انسانیت کے طبعی تقاضوں سے انحراف کا فتنہ

سماج کا تجزیہ کرتے ہوئے چوتھی چیز جس پر شاہ صاحب کی نظر پڑی وہ یہ تھی کہ معاشی عدم توازن کے نتیجے میں جب دینی اقدار کسی سماج سے ختم ہو جاتی ہیں تو پھر ایک فتنہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ لوگ انسانی فطرت کے طبعی تقاضوں سے منحرف ہو جاتے ہیں اور وہ بھی دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک گروہ تو وہ ہوتا ہے، جس کا مزاج کسی نہ کسی درجہ میں دینی سا اور زاہدانہ سا ہوتا ہے یہ لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ عام طور پر آدمی معاشی تگ ودو میں لگا ہوا ہے اور ہر وقت روزی کے چکر میں پڑا ہوا ہے، تو اس برے معاشی نظام کو تبدیل کرنے کے بجائے سرے سے ہی اس معاشی کسب واکتساب کو دین سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو ملکوتی صفات (فرشتوں والی صفات) اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اور روزی کمانے کو ''کمینی دنیا'' کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ انسانیت کے طبعی تقاضوں سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ دوسرا گروہ جس کا مزاج دینی نہیں ہوتا یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اس برے اقتصادی اور معاشی نظام میں پھنس کر قبائے انسانیت کو حیوانیت کے پاؤں تلے تار تار کر چکے

www.rahimia.org

ہوتے ہیں اور یہ بھی انسانیت کے فطری تقاضوں کو نظر انداز کر کے خالص حیوانیت کی طرف چلے جاتے ہیں چناں چہ شاہ صاحب اس کو یوں رقم فرماتے ہیں!

(فتنة مستطيرة وهي تغير الناس من الانسانيه) ایک عام فتنہ یہ بھی ہے کہ لوگ انسانیت اور اس کے تقاضوں سے روگردانی کریں، پس ان کے پاکیزہ اور زاہد ترین لوگ انسانیت کے طبعی تقاضوں (معاشی ضروریات وغیرہ) کی اصلاح کرنے کی بجائے، ان کے سرے سے انکار کر دیتے ہیں (الانسلاخ من مقتضيات الطبع راسا دون صلاحها) اور ملکوتی مخلوق (فرشتوں) کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ عام لوگ خالص حیوانیت کی طرف چلے جاتے ہیں (۹)

گویا جب معاشرہ کے پاکیزہ اور نیک صالح لوگ انسانیت کے معاشی ومعاشرتی اور سیاسی وسماجی تقاضوں کا سرے سے انکار کر کے فرشتوں جیسی خصلتوں کی طرف ''دعوت'' دینے لگیں، تو ظاہر ہے کہ باقی لوگ بھی حیوانیت کی طرف چلے جائیں گے اب جو طاقتور اور مقتدر حیثیت کا حامل ہوگا وہ درندہ صفت حیوانوں کی طرح ظلم اور استحصال کا بازار گرم رکھے گا، لیکن جو بیچارہ کمزور ہوگا وہ ذلیل ورسوا ہو کر گدھے اور بیلوں والی حیوانیت کے درجہ پر چلا جائے گا اور یہ نام نہاد پاکیزہ ''لوگ زمین سے نیچے (قبر) اور آسمان سے اوپر (عالم ملکوت) کی باتیں کرتے رہیں گے، اور یوں معاشرہ میں سے انسانیت کی طبعی وفطری اقدار ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ اور پورا معاشرہ ایک عظیم فتنہ میں مبتلا ہو جائے گا۔

5۔ پورے سماجی نظام کی فرسودگی:

سماج کی مذکورہ بالا حالت دیکھ کر کوئی صاحب بصیرت آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سماج کسی صحیح اور درست نظام پر قائم ہے بلکہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس سماجی جسم کا پورا نظام بالکل فرسودہ ہو چکا ہے اب اس میں اتنی جان باقی نہیں رہی کہ کہ اس جسم کے بوجھ کو برداشت کر سکے اس لیے کہ کسی بھی سماج میں رائج نظام، فکری، سیاسی اور اقتصادی بنیادوں پر ہی قائم ہوتا ہے جب اس کے یہ تینوں ستون بوسیدہ ہو جائیں تو پھر نظام کی خرابی اور فساد میں کوئی شک شبہ باقی نہیں رہتا۔

سیاسی نظام کے دیوالیہ پن کا اندازہ یوں لگایئے کہ حکمران طبقات ذاتی عیش وعشرت میں مبتلا ہوکر قومی واجتماعی معاملات میں قوت فیصلہ جیسی اہم طاقت سے محروم ہوگئے تھے، چناں چہ شاہ صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اما تا حال صبح مشورتے می کنند وشام آن رامی شکستند'' حالت یہ ہوگئی کہ صبح کو ایک مشورہ طے کرتے ہیں اور شام کو اسے توڑ دیتے ہیں (۱۰)

جس کا نتیجہ شاہ صاحب کے الفاظ میں یہ نکلا کہ! ''واز سلطنت بجز نامی باقی نماند'' نام کے سوا سلطنت کا کچھ باقی نہیں رہا۔(۱۱)

غرض کہ شاہ کے زمانے میں ہندوستانی سماج ،سیاسی طور پر تباہ وبرباد ہو چکا تھا،اور شاہ صاحب کو یہ کہنا پڑا:

''سلطنت دہلی بمنزلہ لعب صبیان گشت''یعنی ،سلطنت دہلی بازیچہ اطفال (بچوں کا کھیل)بن گئی ہے(۱۲)

معاشی اور اقتصادی حوالہ سے بھی یہ نظام انتہائی خراب اور بوسیدہ ہو چکا تھا مقتدر طبقات کے ظلم وستم نے عام آدمی کے لیے جینا دوبھر کر دیا تھا،لوٹ کھسوٹ اور استحصال کا نہ ختم ہونے والا ایک طویل سلسلہ شروع تھا اور لوگ معاشی ظلم کی چکی میں پس رہے تھے چناں چہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''بانواع ظلم وضیق معیشت گرفتار شدہ اند''یعنی طرح طرح کے ظلم اور معاشی تنگی میں لوگ گرفتار ہیں(۱۳)

پھر اس سماج کا محض سیاسی ومعاشی نظام ہی خراب نہ ہوا تھا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس نظام کے فکر وفلسفہ کو درست اور محفوظ رکھنے والی مذہبی اور دینی قیادت بھی غلط راستے پر پڑ چکی تھی اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو رہی تھی ،اس کا اظہار شاہ صاحب نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

''ترون البلاد العظام تخلو عن العلماء وان کانوا فهم دون ظهور الشعائر ''تم دیکھتے ہو کہ بڑے بڑے شہر علماء سے خالی ہیں اور اگر کچھ علماء

www.rahimia.org

موجود بھی ہیں تو وہ شعائرِ دینی کے غلبہ کی جدوجہد سے ماوراء ہیں" (۱۴)

خلاصہ یہ کہ پورا سماجی ڈھانچہ اور اس کا نظام بوسیدہ ہو کر فرسودگی کی آخری منزل کو پہنچ چکا تھا، اور انسانیت اس کے بوجھ تلے پڑی ہوئی سسک رہی تھی اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ بقول شاہ صاحب: "کار د بہ استخواں رسید، جائے ترحم است" (ظلم وستم کا) چاقو (انسانیت کی) ریڑھ کی ہڈی تک پہنچ چکا ہے، قابل رحم حالت ہو چکی ہے" (۱۵)

حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جا رہے تھے اور پورا معاشرہ داخلی طور پر تباہی کے کنارے پہنچتا جا رہا تھا۔ اس نظام کی خرابیاں اب کھل کر سامنے آ رہی تھیں، چناں چہ اس دور کی تاریخ بھی ان تمام حقائق کی نشاندہی کرتی ہے، جنہیں شاہ صاحب نے محسوس کیا اور سمجھا تھا۔

6۔ انگریزوں کی چیرہ دستیاں (ظلم وستم)

برعظیم (پاک وہند وبنگلہ دیش) کے سماج میں شروع ہونے والی طوائف الملو کی اور دوسری خامیاں ہی کیا کم تھیں کہ کسی اور آفت کی ضرورت پڑتی، لیکن "مرے کو مارے شاہ مدار" کے مصداق، غیر ملکی سامراجی طاقتوں نے بھی یہ موقع غنیمت جانا اور انھوں نے کئی ہزار میل کا سفر طے کر کے تجارت کے دلفریب نام سے "اس سونے کی چڑیا" کو لوٹنے کا پروگرام بنایا چناں چہ انگریز سامراج نے اپنے (MERCANTILISM) یعنی تجارتی نظریہ زر کو ہم پر مسلط کرنے کے لیے ہندوستان کے ساحلی علاقوں کا رخ کیا اور آہستہ آہستہ پورے ساحلی علاقوں کو اپنے قبضے میں لے لیا اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا، چناں چہ 1760ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی بنا کر، ہندوستان میں جو لوٹ کھسوٹ مچا رکھی تھی، یہ سب شاہ صاحب کی نظر میں تھی، انھیں صاف یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ایک طرف ملک کی حالت سماجی طور پر دگرگوں ہے، دوسری طرف غیر ملکی سامراج، آہستہ آہستہ پورے ملک کو اپنے ظالمانہ شکنجہ میں جکڑ رہا ہے۔ چناں چہ شاہ صاحب مکہ مکرمہ سے اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں! "احوال مردم ہندوستان نیست کہ خود مولد ومنشاء فقیر است، بلاد عرب نیز دیدم واحوال مردم ولایت افرنگ از ثقافت اینجا شنیدم" ہندوستان کا حال ہم پر مخفی نہیں ہے اس لیے کہ وہ فقیر (شاہ صاحب) کا وطن ہے اور بلاد عرب کو بھی دیکھا ہے اور انگلستان کے لوگوں کے حالات بھی ثقہ آدمیوں سے اس جگہ (مکہ

مکرمہ سے) سنے ہیں'' (۱۷)

اس سے شاہ صاحب کی دور بین نگاہ کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ملک کے داخلی اور خارجی حالات پر آپ کی گہری نظر تھی۔

خلاصہ بحث: گزشتہ بحث و گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شاہ صاحب کے زمانے میں ہندوستانی سماج درج ذیل خرابیوں کا شکار تھا۔

۱) سماج کی اجتماعی ساخت، انفرادی ہوس پرستی کے نتیجہ میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی، اور سماج پر گروہیت اور انفرادیت کا غلبہ ہو چکا تھا۔

۲) ذاتی مفاد پرستی دور میں پورا سماج معاشی عدم توازن کا شکار ہو گیا تھا، اور متضاد طبقوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

۳) معاشی عدم توازن کی وجہ سے ہر آدمی نان جویں (روکھی سوکھی روٹی) کا محتاج ہو کر رہ گیا اور اس طرح دین سے دور ہوتا گیا۔

۴) ایک اور فتنہ یہ پیدا ہوا کہ لوگ انسانیت کے طبعی تقاضوں سے منحرف ہو کر فرشتہ صفتی اختیار کرنے کی کوشش کرنے لگے یا پھر حیوانیت میں ڈوبے رہے۔

۵) سماج کے اقتصادی نظام کی طرح اس کا سیاسی اور فکری نظام بھی فرسودہ اور بوسیدہ ہو چکا تھا۔

۶) غیر ملکی سامراجی طاقت کے حملے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی، اور پورے ہندوستانی سماج کو لوٹ کر کنگال بنا دیا گیا تھا۔

یہ تھے وہ حالات جن کے دباؤ کی وجہ سے ہندوستانی سماج رو بہ زوال تھا اور انسانی قدریں ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں۔ حالات اس قدر سنگین ہو چکے تھے کہ کوئی آدمی بھی آگے بڑھ کر کوئی صحیح حل پیش کرنے سے قاصر تھا، خود شاہ صاحب پر ان حالات کا کس قدر اثر تھا اس کا اندازہ ان کے ایک شعر سے ہوتا ہے!

کان نجوما اومضت فی الغیاھب

عیون الافاعی، اوروس العقارب (۱۸)

ترجمہ: گویا کہ تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے ہیں، (مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے) کہ یہ

ناگوں (سانپوں) کی آنکھیں یا بچھوؤں کے سر ہیں۔

لیکن شاہ صاحب چوں کہ اپنے زمانے کے مجدد اور حکیم تھے اس لیے مایوسی اور ناامیدی کبھی بھی آپ کے قریب نہ آئی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ طوفان کے ہر تھپیڑے نے ان کی ہمت کو مزید بڑھایا، انہوں نے حالات گردوپیش کا جائزہ بھرپور سیاسی وسماجی بصیرت کے ساتھ لیا، زوال وانحطاط کے ہر ہر پہلو پر غور کیا، سماجی زندگی کے تقاضوں کو بہ خوبی سمجھا، اور پھر بڑی جرأت کے ساتھ ایک ایسا فکر ترتیب دیا، جو ہر طرح کے افراط وتفریط سے پاک ہے، اور سماجی زندگی کو از سر نو صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے ایک ایسا وسیع نقشہ دیتا ہے کہ جس پر عمل کر کے ہر قوم دنیاوی اور دینی ترقی حاصل کر سکتی ہے۔

شاہ صاحب کو اپنی ترتیب دی ہوئی فکر کی درستگی اور صحت کا پورا یقین تھا، چناں چہ بڑی جرأت کے ساتھ اپنے اشعار میں اس کا اعلان فرماتے ہیں!

تربصنا وداریـنا الانام بوضعهم
فطابت مراقبنا وطاب الشمائل
وقال لنا انا ظهرنا بمظهر
فمن لم يطعنا فيه ما هو عادل

ترجمہ: ”ہم موقع کی انتظار میں ہیں، ہم لوگوں کو ان کی (پرانی اور غلط) وضع سے ہٹائیں گے۔ خوش آئند ہے ہمارا اس طرح نگرانی کرنا اور ہمیں اپنا یہ کردار پسند ہے، ہم سے کہا گیا کہ اللہ کے حکم سے ہم ہی غالب ہوں گے جس نے اس سلسلہ میں ہماری اطاعت نہ کی وہ عدل سے عاری ہے“ (۱۹)

www.rahimia.org

شاہ ولی اللہ کے فکر کا تعارفی جائزہ

گزشتہ سطور کے بیان سے شاہ صاحب کے زمانے کے حالات اور اس سلسلے میں ان کے احساسات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، شاہ صاحب نے جس سیاسی و سماجی بصیرت سے سماج کا علمی تجزیہ کیا ہے، اس کی تفصیل بھی وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے، لیکن کسی مرض کی محض تشخیص کر لینا کافی نہیں ہوتا، بلکہ مرض کے مطابق صحیح علاج تجویز کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے شاہ صاحب نے سماجی زندگی کے بنیادی مرض کی نشاندہی کے بعد اس کی درستی کے لیے ایک مکمل نظامِ فکر ترتیب دیا ہے جو آپ کی سیاسی، سماجی بصیرت کا شاہکار ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی کو جہاں دوسرے شعبوں میں رسائی حاصل تھی وہاں آپ کو سیاسی و سماجی بصیرت بھی بھرپور طریقے سے عطا ہوئی تھی، چناں چہ آپ اپنے اس وصف کا اظہار ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"علمنی ربی الحکمۃ بہا صلاح ھذہ الدورۃ بغایۃ التفصیل ووفقنی لتشییدھا بالکتاب والسنۃ وآثا ر الصحابۃ رضی اللہ عنہم"

"اللہ پاک نے مجھے پوری تفصیل کے ساتھ ایسی حکمتِ عملیہ (سماجی سائنس) سکھلائی کہ جس سے اس دور کی اصلاح وابستہ ہے، اور مجھے اس بات کی توفیق دی کہ سماجی سائنس کے ان اصولوں کو کتاب و سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار کی روشنی میں مزید مضبوط بنا دوں" (۲۰)

شاہ صاحب نے اپنی اس سماجی اور سیاسی بصیرت کی روشنی میں سماج کی مذکورہ بالا خامیوں کا انتہائی گہری نظر سے جائزہ لیا اور یہ محسوس کیا کہ سماجی بنیادوں کو تباہ کر دینے والی ان خرابیوں کا تدارک کیے بغیر معاشرہ کی بنیادی اصلاح ناممکن ہے، جب تک ہر ہر خرابی کا مکمل خاتمہ نہیں ہو جاتا، مجموعی طور پر نظامِ زندگی کسی طور پر درست نہیں ہو سکتا، اس کے لیے شاہ صاحب نے ایک مفصل پروگرام بنایا، اس طرح سماج سے متعلقہ شاہ صاحب کا پورا فکر "فکرِ ولی اللٰہی" کی شکل میں سامنے آیا، جس کے بنیادی نکات اور اساسی فلسفہ درج ذیل ہے۔

www.rahimia.org

(الف) ولی اللّٰہی فکر کا اساسی فلسفہ:

کوئی فکر محض فکر کے درجہ میں رہے اور اس کے پس پشت کوئی فلسفہ کارفرما نہ ہو تو آج کے عقلی دور میں (جہاں ہر فکر اپنا ایک مستقل فلسفہ رکھتا ہے) اس کو تسلیم کرنے سے عموما انکار کر دیا جاتا ہے، گویا ہر فکر کے لیے ایک ایسے فلسفہ کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، جس کی بنیاد پر سائنٹیفک طریقہ سے اس فکر کا ثابت کیا جا سکے جب تک اس کو سائنسی نقطہ نگاہ سے دو اور دو چار کی طرح منوا نہ لیا جائے، اس وقت تک لوگ محض عقیدت کی بنیاد پر ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

چوں کہ شاہ صاحب اس دور کے مجدد اور قائم الزمان (عہد ساز) ہیں لہذا دور کی خصوصیات اور اس کی نفسیات سے بخوبی واقف ہیں، اسی چیز کا لحاظ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے سماجی حوالے سے پیش کردہ اپنی عظیم فکری بنیاد، ایک ایسے دینی فلسفہ پر رکھی جو نہ صرف نقلی معیار پر پورا اترتا ہے بلکہ عقلی معیار کے حوالے سے بھی دنیا بھر کے تمام عقلی اور مادی فلسفوں پر اپنی فوقیت رکھتا ہے اور یہ کوئی محض ''عقیدت'' کی بنیاد پر نہیں کہا جا رہا ہے، بلکہ محض عقلی بنیادوں پر بھی اس فلسفہ کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا جائے تو کوئی سلیم العقل انسان اس کی معقولیت سے انکار نہیں کر سکتا ہے، اس کی حقیقت ایک مسلمہ امر کی سی ہے۔

سماجی حوالے سے شاہ صاحب کا جو فکر آئندہ سطور میں بیان ہوگا اس کی بنیاد یہ ہے کہ سماجی ترقی کے لیے فرد کے مقابلے میں اجتماعیت کی اہمیت زیادہ ہے، اجتماعی زندگی کی تشکیل کے بغیر سماج کا حقیقی وجود قائم نہیں ہو سکتا، گویا شاہ صاحب کا پورا فکر ''اجتماعی وحدت'' کے گرد گھومتا ہے اس سے باہر نہیں۔

شاہ صاحب کا فلسفہ اجتماعیت:

سماج کی اجتماعی وحدت کو ثابت کرنے کے لیے شاہ صاحب نے جو فلسفہ دیا ہے وہ مختصرا کچھ یوں ہے کہ یہ پوری کائنات درحقیقت جسم انسانی کی طرح ایک ''وحدت'' پر مشتمل ہے،

www.rahimia.org

اَب جس طرح انسانی جسم تین چیزوں پر مشتمل ہے، یعنی (۱) جسم اور روح پر مشتمل اس کا پورا ڈھانچہ۔ (۲) انسانی روح، جو اس کے علم اور ارادے کی مالک ہوتی ہے (۳) جسم کی وہ مرکزی قوت، جس کی وَجہ سے اعضائے جسمانی میں تغیر وتبدل (بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک) ہوتا رہتا ہے۔

بالکل اسی طرح اس کائنات رنگ وبو کا بھی، روح وجسم پر مشتمل ایک ڈھانچہ ہے، جس کا نام شاہ صاحب کے فلسفہ میں ''شخص اکبر'' ہے اور دوسری چیز اس کی وہ روح جو اس کے علم وارادے کی مالک ہے، جس کا نام شاہ صاحب ''نفس الکل'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور تیسری چیز وہ مرکزی قوت ہے جو مختلف اوقات میں مختلف شکلیں اختیار کرتی رہتی ہے اسے شاہ صاحب ''طبیعت الکل'' کہتے ہیں۔

اب جس طرح انسان باوجود مختلف عناصر سے مرکب ہونے کے، ایک جسمانی وحدت رکھتا ہے اسی طرح ایک خاندان، قبیلہ، شہر، ملک کے رہنے والے افراد باوجود مختلف جسم رکھنے کے، اپنے اپنے مرتبے میں ایک ''وحدت'' ہیں۔ یعنی ان کو وحدت خاندانی، وحدت قبیلی، وحدت شہری اور وحدت ملکی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، پھر اس اجتماعی وحدت کو مزید اوپر لے جائیں تو کل کائنات تک درمیان میں اور ''وحدتیں'' بھی آئیں گی اور کائنات کی وحدت میں یہ مختلف ''وحدتیں'' گم ہوجاتی ہیں۔

اب انسانی جسمانی وحدت پر غور کریں، اس کے مختلف اعضاء ہیں ان میں افعال کا اختلاف ہونے کے باجود اگر کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو پوری جسمانی وحدت اسے محسوس کرتی ہے اور اس تکلیف کو دور کرنے کے درپے ہوتی ہے اور اگر انسان کا پورا ''جسمانی نظام'' خراب ہوجائے، تو پھر دوسرا انسان (یعنی ڈاکٹر اور حکیم) اس کے نظام کو درست کرنے کے لیے مریض انسان سے تعاون کرتا ہے، اگر اس تکلیف کو محسوس نہ کیا جائے اور اس کی درستی کے لیے کوشش نہ کی جائے تو چھوٹی سی ''وحدت جسمانی'' فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔

بالکل یہی حال ان تما وحدتوں کا ہے جو انسانی جسمانی وحدت اور کائنات کی وحدت کے درمیان پائی جاتی ہیں، یہ تمام ''وحدتیں'' اپنے اپنے مقام اور مرتبہ پر اپنے نظام کے خلل کو اگر

www.rahimia.org

محسوس نہیں کرتیں اور ان کے دفعیہ کا انتظام نہیں کرتیں تو وہ اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ سکتی ہیں۔

سماجی وحدت کی اہمیت:

اَب سماج بھی ایک وحدت ہے، جو مختلف افراد کے آپس میں ایک مقام اور ایک جگہ پر اکٹھے رہنے، آپس میں لین دین کرنے سے وجود پذیر ہوتی ہے، اس کا اپنا ایک نظام ہے، اب اس وحدت کا نظام درست بنیادوں پر کام کرتا رہے تو وحدت ٹھیک رہے گی، لیکن اگر اس کے نظام (SYSTEM) میں خرابی پیدا ہو جائے تو اس وحدت کو بھی نقصان ہو گا اور اس طرح سماج کا وجود ختم ہو کر رہ جائے گا۔

اب انسانی سماج میں استعمال ہونے والی ''معاشی دولت'' کو ہی لیجئے یہ پورے سماج کی رگوں میں خون کی مانند گردش کر رہی ہے اب جیسے انسانی خون پورے جسم میں گردش کرتا رہے تو جسم ٹھیک رہے گا، لیکن اگر اس کی گردش بند ہو جائے اور کسی عضو کو خون بالکل نہ پہنچے، جبکہ کسی دوسری جگہ خون کی زیاتی ہو جائے، تو وہ انسانی جسم بیمار پڑ کر ختم ہو جائے گا۔ بالکل ایسے ہی سماج کی رگوں میں دوڑنے والا یہ خون یعنی معاشی دولت اگر گردش کرنا بند کر دے یعنی سماج کے بعض افراد اس سے محروم رہ کر مفلوج ہو جائیں اور بعض افراد کے پاس زیادہ آجائے اور وہ اس کا ارتکاز کر لیں تو ایسا سماج کبھی بھی زندہ نہیں رہ سکتا، اس لیے جب تک ۔۔۔۔ معاشی خون ۔۔۔۔۔ کو پورے سماجی جسم میں گردش میں نہیں رکھا جائے گا، سماجی مسائل حل نہیں ہو سکتے ۔۔۔۔ گویا سماج میں تعاون باہمی ضروری ہے۔

اس طرح سماجی وحدت کو اور جو بھی مسائل لاحق ہونگے ان کو حل کرنے کے لیے تعاون باہمی ضروری ہو گا، آپس کے تعاون کے بغیر سماجی اجتماعی وحدت کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتی، یہ خلاصہ ہے شاہ صاحب کے اس فلسفہ کا جس کی بنیاد پر شاہ صاحب نے انسانی زندگی کے تمام مسائل کو حل کیا ہے۔

(ب) ولی اللّٰہی نظامِ فکر کے بنیادی نکات:

شاہ صاحب نے اپنے اس دینی فلسفہ کی بنیاد پر جو نظامِ فکر تشکیل دیا ہے اس کے بنیادی اور اساسی نکات درج ذیل ہیں۔

www.rahimia.org

1۔حیات اجتماعی کی اہمیت:

انسانی زندگی کا اگر تحلیل وتجزیہ کیا جائے تو یہ بات اس کی فطرت میں داخل معلوم ہوتی ہے کہ وہ اجتماعی زندگی کا خوگر ہے، اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل زندگی گزارنا ہر انسان کا طبعی تقاضہ ہے اس کے نتیجہ میں معاشرے کی اجتماعیت اپنی صورت گری کرتی ہے، حیات اجتماعی کی یہی وہ اہمیت ہے جسے ہر سماج میں بجا طور پر محسوس کیا گیا ہے لہٰذا یہ بات مشاہداتی طور پر طے شدہ ہے کہ کوئی معاشرہ اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ اجتماعی اداروں کو اجتماعی نقطۂ نگاہ سے نہ چلائے اور اگر کسی معاشرہ کے اجتماعی اداروں میں انفرادی ہوس پرستی کا زہر سرایت کرگیا تو اس کی تباہی یقینی ہے۔

شاہ صاحب کے زمانے میں چونکہ خودغرضی پر مبنی انفرادیت کا زہر پورے معاشرے میں سرطان کی طرح پھیل چکا تھا، اور اسی وجہ سے بتدریج معاشرہ کے باقی روگ پیدا ہوتے جارہے تھے، اس لیے شاہ صاحب نے اپنے فکر میں سب سے پہلے انفرادی ہوس پرستی کی تردید اور اجتماعی زندگی کی اہمیت کا اجاگر کیا ہے چونکہ شاہ صاحب کی نظر یہ دیکھ رہی تھی کہ انفرادی ہوس پرستی کے نتیجہ میں معاشرہ میں معاشی عدم توازن پیدا ہورہا ہے جو طبقاتی تقسیم کا باعث بن کر دونوں طبقوں کو دین سے دور لے جارہا ہے اس طرح اخلاقی قدریں ختم ہوتی جارہی ہیں اور جب کسی قوم کے اجتماعی اخلاق تباہ ہوجائیں تو اس کا ٹھکانہ قعر مذلت (ذلت کا گڑھا) ہی ہوتا ہے۔

شاہ صاحب کی تمام کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، قرآن کے اصول تفسیر سے لے کر سیاست اور معیشت کے متعلق ابواب تک کو شاہ صاحب کی مختلف کتابوں میں پڑھ لیجئے جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ ''انفرادیت'' پر مبنی نظام کے بجائے صالح اجتماعیت کا قائم کیا جانا، وقت کی اہم ضرورت ہے اس کے بغیر نہ تو دنیا میں ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں اور نہ اخروی زندگی کی سعادت حاصل ہوسکتی ہے چناں چہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں!

''لیس المقصود بالذات فی العنایة التشریعیة حال فرد بل حال جـــمـــاعة'' تشریعی امور میں ایک فرد کی حالت مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ (پوری)

جماعت (سماج) کی حالت سامنے رکھی جاتی ہے (۲۱)

اس سے ثابت ہوا کہ قانون الٰہی بھی پوری انسانی اجتماعیت کو سامنے رکھ کر بنایا جاتا ہے، گویا وہ پورے سماج کے اجتماعی تقاضوں کو درست اور احسن طریقہ پر پورا کرنے کا صحیح راستہ بتلاتا ہے۔

2۔ حیات اجتماعی کے چار مراحل اور ان کی اہمیت:

انسان کی حیات اجتماعی، سماجی سائنس کی رو سے کس طرح ارتقائی مراحل طے کرتی ہے؟ اس سوال کا شاہ صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ جواب دیا ہے، اور بتلایا ہے کہ انسانی زندگی اپنی اجتماعیت کے ارتقا میں چار مراحل سے گزرتی ہے، یعنی ابتدائی اور دیہاتی زندگی کا مرحلہ، شہری تقاضوں کے حوالے سے تمدنی نظام، ملکی اور قومی نقطۂ نظر سے سماجی وسیاسی نظام اور آخر میں بین الاقوامی حیثیت سے عالمی نظام کے تمام مراحل انسانی اجتماعیت کا لازمی جزو ہیں۔ ان سماجی وعمرانی مرحلوں کو شاہ صاحب ''ارتفاقات'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، اور ان چاروں مرحلوں کی تفصیل چونکہ اس مختصر مقالہ کے حیطۂ (دائرہ) بیان سے خارج ہے اس لیے اس سے قطع نظر صرف یہ واضح کیا جانا ضروری ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک حیات اجتماعی سے متعلقہ ان ارتفاقات کی کیا اہمیت ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں!

''اعلم ان الرسوم من الارتفاقات هی بمنزلة القلب من جسد الانسان، وایا ها قصد ت الشرائع اولا وبالذات الخ'' یہ یاد رکھیئے! کہ اجتماعی زندگی کی رسوم کو معاشرہ میں وہی حیثیت حاصل ہے جو کہ انسانی جسم میں دل کی حیثیت ہوتی ہے اور دنیا بھر کے قوانین میں اولا اور بذات خود یہی مقصود ومطلوب ہوتی ہیں، اور انہی سے تمام مقدس اور الٰہی شریعتیں بحث کرتی ہیں اور انہی کی طرف (مقدس شریعتوں کے لانے والے لوگوں کو) اشارات ہوتے ہیں (۲۲)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے جہاں اجتماعی زندگی کی اہمیت واضح ہوتی ہے وہاں یہ بات بھی شاہ صاحب بڑے واضح انداز میں بتلانا چاہتے ہیں کہ شریعت الٰہیہ میں اولاً اور بذات خود حیات اجتماعی سے متعلقہ رسومات (قوانین) سے ہی بحث کی جاتی ہے اس طرح شاہ

صاحب نے عقلی اور نقلی دونوں طریقوں سے اجتماعی زندگی کی اہمیت کو واضح کیا ہے، تا کہ انفرادی ہوس پرستی کا جوز ہر معاشرہ میں پھیل چکا ہے اس کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔

3۔ معاشی عدم توازن کے خاتمہ کے لیے تعاون باہمی کا اصول:

معاشرہ کی اجتماعی ساخت کو توڑنے کے نتیجہ میں جو معاشی عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے اس کا خاتمہ کیئے بغیر کوئی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا، اس لیے شاہ صاحب نے اپنے فکر میں معاشی عدم توازن کو ختم کرنے پر بہت زور دیا ہے، تا کہ دولت مند ظلم واستحصال کر کے دنیا و آخرت میں تباہ و برباد ہونے سے بچے، اور غریب غریب تر نہ بنایا جائے، یہاں تک کہ وہ بھی اخلاقیات کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائے، شاہ صاحب کے نزدیک معاشیات کو ''تعاون باہمی'' کے اصول پر استوار ہونا چاہیئے، معاشرے کے تمام افراد ایک کنبہ کے مانند ہیں اور ایک گھر کے افراد کی طرح انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ''تعاون باہمی'' کے اصولوں پر معاملہ کرنا ضروری ہے، اور جو سرمایہ دار یا جاگیر دار انسانی مساوات وتعاون کے اس اصول کو توڑے اس کے خلاف جدو جہد کو شاہ صاحب ضروری قرار دیتے ہیں، چناں چہ تعاون باہمی کے اصول کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''والواجب فيما بين الناس ان يقيموامصلحة التاليف والتعاون''
باہمی تعلقات کے حوالہ سے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ آپس میں الفت اور تعاون باہمی کی مصلحت (اصول) کو پیش نظر رکھیں۔

''ولا يوذى احد احد االااذا امربه الرأى الكلى '' کوئی آدمی دوسرے کو ہرگز تکلیف نہ دے سوائے اس صورت کے کہ کوئی اجتماعی تقاضہ پورا کرنا ضروری ہو (۲۳)

شاہ صاحب نے اس عبارت میں جہاں ''تعاون باہمی'' کے اصول کی اہمیت خوبصورت پیرایے میں بیان کی ہے وہاں سماجی زندگی میں اجتماعی تقاضوں کی اہمیت بھی واضح طور پر اجاگر کی ہے۔

4۔اقترابات کی ضرورت:

شاہ صاحب کے نزدیک جب کسی معاشرہ کا معاشی نظام درست بنیادوں پر استوار ہو جاتا ہے، یعنی معاشرے کا کوئی فرد نہ تو معاشی مجبوریوں میں مبتلا ہو اور نہ اسراف اور فضول

خرچی کی عیاشیوں میں منہمک ہو، تو پھر ہر فرد کے لیے دین پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، ان حالات میں ہر فرد کے لیے ضروری ہے کہ معاشی نقطۂ نگاہ سے اپنی ضروریات زندگی پورا کرنے کے بعد اتنا وقت ضرور نکالے کہ جس میں وہ رضائے خداوندی کے حصول کے لیے اپنی روح کا تعلق خدا تعالی کی ذات کے ساتھ قائم کرلے، عبادات میں کوتاہی نہ کرے، تقرب الٰہی کے حصول میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے اور آخرت کی فکر اپنے اندر پیدا کرے تاکہ اس کے اخلاق میں نکھار پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ اخروی سعادت کا سزاوار ہو ان سب چیزوں کا نام شاہ صاحب کی اصطلاح میں ''اقترابات'' ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک دین کی دو ہی بنیادیں ہیں (۱) خدا پرستی یعنی خدا تعالی کو راضی کرنا (۲) انسانیت دوستی یعنی انسانیت کی خدمت پر مبنی ایک ایسا نظام تشکیل دینا کہ جس میں پوری انسانیت امن وسکون کی زندگی بسر کر سکے۔

5۔ دینی اخلاقیات اور معاشی اخلاقیات کا باہمی تعلق:

ایک اور حقیقت جسے شاہ صاحب کسی بھی سماج کی ترقی میں بنیادی حیثیت دیتے ہیں وہ یہ کہ انسانی زندگی میں اخلاقیات کا دارومدار اس معاشرتی ماحول اور گردوپیش کے ان سماجی حالات پر ہوتا ہے، جو کوئی سماج، انسانی فرد کو بحیثیت مجموعی فراہم کرتا ہے، سماج کا مجموعی ماحول جس قسم کی اخلاقیاتی اقدار کا حامل ہوگا فرد کی شخصیت پر اس کی گہری چھاپ موجود ہوگی۔ انسانی زندگی کے کردار پر معاشرتی ماحول کا دباؤ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس لیے جب تک سازگار ماحول پیدا نہ ہو، فرد کی مکمل اصلاح ناممکن ہے۔ محض وعظ ونصیحت اور اصلاحی لیکچروں سے کسی فرد کو زیادہ دیر تک درست نہیں رکھا جا سکتا۔ جب تک کہ ساتھ ہی ویسا بہترین ماحول نہ فراہم کیا جائے، محض علوم وافکار کی باتیں اثر انداز نہیں ہوتیں چناں چہ اخلاقی حوالے سے معاشرتی ماحول کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''انما الاخلاق بالاحوال لا بالعلوم'' انسانی زندگی میں اخلاق صرف (اچھے) ماحول کے ذریعہ ہی پیدا کیے جا سکتے ہیں، محض علوم ونصائح کی بنیاد پر کسی فرد میں اچھے اخلاق نہیں پیدا کیے جا سکتے'' (۲۴)

www.rahimia.org

پھر ایک اور حقیقت کی نشان دہی بھی شاہ صاحب نے فرمائی ہے کہ انسان کی اخلاقی اقدار کے بگاڑ میں معاشی ابتری اور اقتصادی تنگدستی کا ماحول خاص طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ معاشی نظام کی خرابی، انسانی اخلاقیات کا دیوالیہ نکال دیتی ہے۔ اور اس سے ایسی حماقتیں سرزد ہوتی ہیں، جو انسانیت کے نام پر کلنک کا ٹیکہ بن جاتی ہیں، چناں چہ اس حقیقت کو شاہ صاحب یوں واضح فرماتے ہیں۔

''کل غباوہ وسوء خلق فانما ینشاء من سوء التدبیر فی الاکل وسائر التدبیر ات (ای النظامات) وکل ذکاء وحسن خلق ولطف انما ینشاء من صحۃ التدبیر'' انسانی زندگی می ہر طرح کی حماقتیں اور بداخلاقیاں، صرف معاشی نظام کی خرابیوں سے پیدا ہوتی ہیں اور ہر طرح کی ذہانت اور عمدہ اخلاق صحیح معاشی نظام کی وجہ سے ہی وجود می آتے ہیں (۲۵)

اسی لیے شاہ صاحب سماجی زندگی کے فطری ارتقا کے لیے یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ وہاں ایسا عملی نظام قائم کیا جائے کہ جن سے محض اخلاقیات کی درستی کا ہی فائدہ نہ ہو، بلکہ معاشی اخلاقیات بھی درست ہوں تا کہ ظالمانہ معاشی نظام کے منفی اخلاقی اقدار سے نجات پانا ممکن ہو جائے اور دوسری طرف وہ اس چیز کو بھی درست نہیں سمجھتے کہ محض معاشی واقتصادی خوش حالی پر ہی زور دیا جائے، اور اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دیا جائے سماج کی بحیثیت مجموعی فطری ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں کی اہمیت کو بجا طور پر محسوس کیا جائے چناں چہ فرماتے ہیں:''احسن الرسوم ماصلح بہ الاخلاق وانواع الارتفاق ''سب سے بہترین طور طریقے وہ ہیں کہ جن سے اخلاق بھی درست ہوں اور معاشی ارتفاقات بھی صحیح بنیادوں پر قائم ہو جائیں (۲۶)

غرض کہ شاہ صاحب نے اپنی کتابوں میں جا بجا اس حقیقت پر زور دیا ہے کہ مذہبی اخلاقیات (اقترابات) کا درست ہونا از بس ضروری ہے، اور یہ کہ دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ان میں سے کسی ایک کا محدود تصور سماجی ڈھانچہ کی ترقی کے لیے انتہائی مضر اور نقصان دہ ہے، مجموعی ترقی کے لیے دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

www.rahimia.org

6۔انسانیت کے طبعی تقاضوں کی اصلاح کے چار طریقے:

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسان ملکوتی روح اور حیوانی جسم دو چیزوں سے مرکب ہے، دونوں میں اعتدال اور امتزاج پیدا کرنا اشد ضروری ہے، محض ملکوتی صفات کی طرف جانا بھی انسانی طبعی تقاضوں سے انحراف ہے اور محض حیوانی خصلتوں پر زندگی کو گزارنا بھی انسانیت کے منافی ہے، یہی وَجہ ہے کہ طبعی تقاضوں کی اصلاح کے لیے شاہ صاحب نے چار طریقے لکھے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) طہارت:

ہر انسان فطری طور پر پاک وصاف رہنا چاہتا ہے یہ اس کی فطرت اور طبیعت کا ایسا تقاضہ ہے کہ جسے ہر انسان اپنے اندر محسوس کرتا ہے، اس لیے اپنے فطری تقاضے کے تحت ہر انسان کا روحانی، جسمانی اور ماحولیاتی طور پر ہر قسم کی فکری اور عملی گندگی سے پاک ہونا ضروری ہے۔

(۲) اخبات للہ تعالیٰ:

ہر انسان طبعی طور پر کسی نہ کسی برتر طاقت اور قوت کے سامنے اپنے عجز کا اظہار ضرور کرتا ہے حتیٰ کہ غیر مذہبی آدمی بھی اپنی مادی زندگی میں کسی نہ کسی چیز کے سامنے عاجز آجاتا ہے اور اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہوتا ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب یہی حقیقت ہے تو پھر محدود اور سطحی چیزوں کے سامنے جھکنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے سامنے اپنی عاجزی اور خشوع وخضوع کا اظہار کیا جائے، کیوں کہ وہی ذات ہمارے وجود سمیت اس پوری کائنات کی خالق اور پالنے والی ہے۔

(۳) سماحت:

ہر انسان طبعی طور پر معاشرہ میں ایک باوقار زندگی بسر کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی عزت کریں اور احترام سے پیش آئیں اس لیے ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی ایسے سلیقے سے گزارے کہ اس میں سخاوت، صبر وشکر، عفت وعصمت وغیرہ اخلاق حسنہ بخوبی محسوس کئے جاسکتے ہوں، پھر اس میں آسائش پسندی کی بجائے ''جدوجہد'' اور درست طریقوں سے آگے بڑھنے کا مثبت جذبہ بھی موجود ہو، انتقامی

جذبات اور حرص وبخل وغیرہ کو ترک کردے۔

(۴) عدالت:

ہر انسان طبعی طور پر اپنے ساتھ ظلم کو برداشت نہیں کرتا، بلکہ چاہتا ہے کہ اس کے حقوق بغیر کسی استحصال کے اسے ملنے چاہئیں اب پورے سماج میں مجموعی طور پر ہر ایک کو اس کا حق یکساں طور پر ملنا ضروری ہوا اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ہر انسان میں عدل کا مزاج ایسے طریقے سے راسخ ہو جائے کہ وہ خاندانی زندگی سے لیکر ملکی وملی زندگی تک میں عدل کا نافذ کرنے کی جدوجہد کرے۔ تاکہ پورے معاشرے کے لوگ عدل وانصاف کے ساتھ اپنے حقوق حاصل کریں اور پورا معاشرہ سیاسی ومعاشی حوالے سے ترقی کرے، چناں چہ صاہ صاحب فرماتے ہیں ''سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی روح رواں یہی عدالت کا وصف ہے'' (۲۷)

7۔ دین میں اجتماعی سیاست کی اہمیت:

شاہ صاحب کے زمانہ میں جہاں اور فتنے تھے یہ بھی ایک فتنہ پیدا ہو چلا تھا کہ بعض جماعتیں اور گروہ زہد وعبادت اور دوسرے مذہبی امور میں مشغول ہو کر قومی اجتماعی زندگی میں سیاست کی اہمیت سے انکار کر رہے تھے، اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کے ذریعے ملکوتی (فرشتوں کی سی) صفات (غیر سماجی زندگی) اختیار کرنے کا مشورہ دینے پر لگے ہوئے تھے ان کے زعم باطل (بے بنیاد خیالات) میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ قومی سیاست میں حصہ لینا، دین وشریعت کے خلاف ایک ایسا عمل ہے جس سے دور رہنا انسانیت کے کمالات میں سے ہے، چناں چہ شاہ صاحب نے دین کے اس مسخ شدہ تصور کی تردید فرمائی اور یہ واضح کیا کہ دین انسانی زندگی کے لیے ایک ایسا جامع تصور پیش کرتا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق یکساں طور پر راہنمائی فراہم کرتا ہے قومی اور ملی سیاست کا اصول دین کے بنیادی اور اساسی اصولوں میں شامل ہے، بلکہ تمام ادیان حقہ اور شریعتوں میں اس کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے، چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں:

''ان تفاصیل اسرار الشرائع ترجع الی اصلین مبحث البر والاثم ومبحث السیاسات الملیۃ''

www.rahimia.org

تمام شریعتوں کے اسرار ورموز کی تمام تر تفصیلات دو اصولوں پر مبنی ہیں (۱) نیکی اور بدی کا اصول (۲) قومی اور ملی سیاست کا اصول (۲۸)

گویا تمام مذاہب اور شریعتوں کے دو بنیادی مقاصد تھے (۱) معاشرے میں نیکی اور بدی کے امتیاز کا وصف پیدا ہو جائے تاکہ وہ بحیثیت مجموعی خرابیوں اور برائیوں سے دور رہے اور اچھائیوں اور خوبیوں کو اپنائے (۲) سماجی زندگی کی صحیح تہذیب وتنظیم کے لیے قومی اور ملکی سیاست کو فروغ دیا جائے، تاکہ بہترین سیاسی نظام میں لوگ امن وچین کی زندگی بسر کریں، انہی دو اصولوں کی تشریح وتفصیل شاہ صاحب نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں کی ہے، بلکہ ایک مستقل تصنیف ''ازالۃ الخفاء'' اسی سیاسیات کے موضوع پر قلمبند فرمائی جس میں خلافت وحکومت موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔

8۔ تبدیلی نظام کا انقلابی تصور:

کوئی فکر، جب مسائل کے حوالے سے نظریاتی بنیادوں پر ایک مکمل فکری نظام پیش کرتا ہے، تو اس نظام کو اس وقت تک پوری طرح نافذ نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ پہلے سے رائج شدہ بوسیدہ اور فرسودہ نظام کو ختم نہ کیا جائے، اس لیے جب کوئی چیز فرسودہ ہو جاتی ہے تو وہ اصلاح وترمیم کے قابل نہیں رہتی اس کی اصلاح میں وقت ضائع کرنا فضول ہے۔

اس لیے شاہ صاحب نے بھی اس چیز کو اپنی فکر میں بنیادی حیثیت دی ہے اور ''فک کل نظام'' ۔ ''ہر بوسیدہ نظام کو توڑ ڈالو'' کے اصول پر انقلاب کی دعوت دی ہے۔ یعنی جب ملک کا داخلی نظام غلط بنیادوں پر ڈھلنا شروع ہو جائے تو اس کے خلاف انقلاب لانا انسانیت کو ایک بڑی مصیبت سے چھٹکارا دلانا ہے، چناں چہ حضرت مولانا علی میاں صاحب شاہ صاحب کے اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''شاہ صاحب نے اس بات کا (خاص طور پر) لحاظ کیا کہ ہندوستان کے شاہی خاندان اور مغلیہ سلطنت کے عروج کی دوبارہ کوئی امید نہیں ہے اس لیے بہ قول علامہ ابن خلدون ''جب کسی حکومت کا (نظام) کمزور ہو کر زوال پذیر ہو جائے وہ دوبارہ ٹھیک نہیں ہو سکتا''

''فلافائدۃ من بذل الجھود فی اصلاحھا وتضیع الوقت فی

تقویتھا ولابد من اعداد جماعة تحدث انقلابا اسلامیا"

(شاہ صاحب نے محسوس کیا) کہ مغلیہ سلطنت کی اصلاح کی جدوجہد میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس کو مضبوط کرنا، وقت کا ضیاع ہے بلکہ اس کے بجائے ایک ایسی انقلابی جماعت تیار کرنی ضروری ہے جو دینی انقلاب پیدا کرے (۲۹)

موجودہ حالات میں شاہ صاحب کا نظریہ "فک کل نظام" بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہمارے آج کے مسائل کے حوالے سے اس کے اطلاقات کیا ہیں؟ اور کن کن جہتوں میں شاہ صاحب کا یہ نظریہ ہماری راہنمائی کرتا ہے، اس کے لیے راقم کے مقالہ جات (۱) نظام کیا ہے؟ (۲) تبدیلِ نظام کا ولی اللّٰہی نظریہ (۳) تبدیلی نظام کیوں اور کیسے؟ ملاحظہ فرمائیں۔ جو شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن نے شائع کیئے ہیں۔

9۔ جہاد کی اہمیت:

اندرون ملک نظام کی تبدیلی کی جدوجہد کے لیے جہاں انقلابی جماعت کی تیاری ضروری ہے، وہاں یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ غیر ملکی انگریز سامراج کا مقابلہ کرنے کے لیے "جہاد" کی بڑی اہمیت ہے لہٰذا شاہ صاحب نے اس پس منظر میں "جہاد" کی ضرورت پر کافی کچھ لکھا، اور اس کے فوائد اور منافع کا ذکر اپنی کتابوں میں جابجا کیا ہے۔ شاہ صاحب نے محسوس کیا کہ آج مسلمانوں کی تنزلی کی ایک اور بڑی وجہ عملی طور پر جہاد کرنا ہے چناں چہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: "جہاد کے فضائل چند اصولوں پر مبنی ہیں ان میں ایک اصول یہ ہے کہ جہاد کرنا حق تعالیٰ کی تدبیر اور اس کے الہام کی موافقت کرنا ہے، پس اس کو پورا کرنے کی کوشش کرنا، رحمت کے شامل حال ہونے کا سبب ہے، اور اس کو باطل کرنے کی کوشش کرنا، لعنت کی شمولیت کا سبب ہے، اور اس زمانہ میں اسے الگ ہو کر بیٹھنا بہت بڑے نفع کو ضائع کر دینے کے مترادف ہے" (۳۰)

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں "الجہاد" کا مستقل عنوان قائم کر کے اس کی اہمیت اور فضائل بڑی تفصیل سے بیان کیئے ہیں اس لیے کہ شاہ صاحب محسوس کر رہے تھے کہ اگر آج مسلم امت "جہاد" کو عملی طور پر اپنا لیتی ہے، غیر ملکی سامراجی طاقتیں کبھی بھی ہم پر مسلط

www.rahimia.org

نہیں ہوسکتی ہیں، اس طرح انگریز سامراج کی لوٹ کھسوٹ اور استحصال کو روکا جاسکتا ہے اور اپنی حریت اور آزادی کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

خلاصہ بحث

ولی اللّٰہی نظامِ فکر کے حوالے سے گزشتہ سطور کی ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

۱۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے سماجی و اجتماعی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے ایک بہترین نظامِ فکر پیش فرمایا اور اس سلسلے میں انہوں نے کائنات میں حرکت پذیر عالم گیر نظامِ وحدت کی حقیقتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے انسانی سماجی وحدت کے لیے ایک جاندار اور مثبت فلسفہ اجتماعیت پیش فرمایا۔

۲۔ انسانی زندگی میں حیاتِ اجتماعی کی اہمیت پر زور دیا تاکہ معاشرے سے انفرادی مفاد پرستی کے زہر کا خاتمہ کیا جاسکے۔

۳۔ حیاتِ اجتماعی کے چار ارتقائی مراحل کا ذکر کرکے اجتماعیت کی اہمیت اور اس کے تنوع کو مزید اجاگر کیا۔

۴۔ انسانی اجتماعیت کو تباہ کرنے والے استحصالی معاشی نظام کی جگہ ایسے معاشی نظام کا خاکہ پیش فرمایا، جس کا بنیادی اصول ''تعاونِ باہمی'' ہے اور اس کو بڑی وضاحت کے ساتھ اپنی مختلف کتابوں میں بیان فرمایا، تاکہ معاشی عدم توازن کو ختم کرکے معیشت کو مثبت بنیادوں پر استوار کرنے میں مدد ملے۔

۵۔ انسانی معاشرے کا خالقِ کائنات کے ساتھ ربط و تعلق اور قربِ الٰہی کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کیا اور عبادات کی حکمتوں اور فائدوں کا تفصیل سے تذکرہ فرمایا۔

۶۔ مذہبی اخلاقیات اور معاشیات و اقتصادیات کے باہمی ربط کی اہمیت واضح فرمائی۔

۷۔ انسانیت کے فطری اور طبعی تقاضوں کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ان کی اصلاح کے چار طریقوں کی وضاحت فرمائی۔

۸۔ سماجی زندگی میں قومی اور ملی سیاست کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

۹۔ فرسودہ اور غلط نظام کے خلاف تبدیلی نظام کا انقلابی تصور واضح کیا۔

www.rahimia.org

۱۰۔ غیر ملکی سامراجی قوتوں کے خلاف ''جہاد و انقلاب'' کی اہمیت کو بڑی شدت کے ساتھ واضح کیا چناں چہ آپ کے جانشینوں نے اس اصول پر عمل کر کے انگریز کے خلاف کامیاب جنگ آزادی لڑی۔

یہ دس نکات ایسے ہیں کہ جن سے امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی کے نظام فکر کا ایک اجمالی خاکہ ہمارے سامنے آجاتا ہے گویا کہ اس عظیم فکر کی اجمالی تصویر ہے جو شاہ صاحب نے دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی معاشروں کی درستگی کے لیے پیش فرمائی ہے یہ فکر صرف اس حیثیت سے ہی اہمیت کا حامل نہیں کہ اس کے پس پشت ایک بہترین اور جاندار فلسفہ اجتماعیت کارفرما ہے بلکہ اس حوالہ سے بھی اس کے اصول و نکات آج بھی اس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ انہیں نظرانداز کر کے کسی بھی معاشرہ میں صحیح سمت میں تبدیلی پیدا کرنا ایک دشوار امر ہے۔

آخری گزارش:

آج جب کہ ہم اپنے معاشرے میں گوناگوں سیاسی اور سماجی مسائل کا شکار ہیں اور ہمارے معاشی و اقتصادی، سیاسی و سماجی نظام میں تقریباً وہی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں، جن کی نشان دہی شاہ صاحب نے فرمائی ہے، بلکہ آج صورتِ حال اس سے بھی بڑھ کر ہے، اندریں حالات ہمارا فریضہ بن جاتا ہے کہ شاہ صاحب کے ان افکار سے راہنمائی حاصل کریں اور ان افکار کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگائیں اور اس دینی فکر کی روشنی میں اپنے آپ کو منظّم کر کے موجودہ ظالمانہ مادی نظام کے خلاف اپنا کردار ادا کریں اور یوں ہم اپنے دور کے اس فرض کو پورا کریں جو موجودہ حالات کی وَجہ سے ہم پر عائد ہوتا ہے اللہ تعالی ہمارا حامی و ناصر ہوگا۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

www.rahimia.org

حوالہ جات:

۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم ص ۵۸۹، ج ۲، مطبوعہ کراچی۔

۲۔ تفہیمات الٰہیہ، تفہیم نمبر ۵، ص ۵۴، ج ۱، مطبوعہ حیدر آباد

۳۔ ایضاً تفہیم نمبر ۴۲، ص ۶۰، ج ۲۔

۴۔ حجۃ اللہ البالغہ، باب سیاست المدینہ، مبحث ثالث ص ۹۴۔ ج ۱ مطبوعہ قاہرہ

۵۔ حوالہ بالا، باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم ص ۲۲۱، ج ۱۔

۶۔ حوالہ نمبر بالا ص ۹۴، ج ۱۔ ۷۔ ایضاً ص ۲۲۱، ج ۱۔

۸۔ ایضاً ۹۔ حوالہ بالا باب الفتن ص ۸۷۸، ۸۷۹، ج ۲، مطبوعہ مصر۔

۱۰۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مکتوب نمبر ۲۰، ص ۴۰، مطبوعہ لاہور۔

۱۱۔ ایضاً مکتوب دوم ص ۱۱۔ ۱۲۔ ایضاً ص ۱۲۔

۱۳۔ ایضاً ص ۱۱۔ ۱۴۔ تفہیمات الٰہیہ ص ۲۸۳، ج ۱ مطبوعہ حیدر آباد

۱۵۔ سیاسی مکتوبات مکتوب نمبر ۷ ص ۲۳۔

۱۶۔ روئداد برصغیر ص ۳۴، مطبوعہ لاہور۔

۱۷۔ شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص ۱۴، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۲ء۔

۱۸۔ سیاسی مکتوبات ص ۱۹۔ ۱۹۔ تفہیمات الٰہیہ س ۲۱۱، ج ۲۔

۲۰۔ الجزء اللطیف، بحوالہ التمہید لتعریف ائمۃ التجدید ص ۱۱۵، مطبوعہ حیدر آباد

۲۱۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۶، ج ۱ مطبوعہ قاہرہ۔ ۲۲۔ حوالہ بالا ص ۱۰۳۔ ج ۱۔

۲۳۔ حوالہ بالا ص ۱۹۰، ج ۱۔ ۲۴۔ البدور البازغہ ص ۵۰، مطبوعہ حیدر آباد

۲۵۔ حوالہ بالا ص ۷۱۔ ۲۶۔ حوالہ بالا ص ۱۱۸۔

۲۷۔ ہمعات ص ۲۰۸۔

۲۸۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۲، ج ۱ مطبوعہ قاہرہ مصر۔

۲۹۔ مقالہ ''تاریخ اسلام فی الہند'' مطبوعہ مجلّہ ''البعث'' بحوالہ مقدمہ حجۃ اللہ مطبوعہ مصر۔

۳۰۔ حجۃ اللہ البالغہ باب الجہاد ص ۷۸۶، ج ۲ مطبوعہ مصر۔

www.rahimia.org